ڈاکٹر محمود احمد غازی۔ حیات اور خدمات سیرت

سید عزیز الرحمٰن

Abstract

Dr. Mahmood Ahmad Gazi: Life & Contributions to Seerah
This article attempts to present a brief introduction of Dr. Mahmood Ahmad Ghazi (1950-2010) and his academic contributions towards Seerah, which have not been written in detail, in the past. Dr. Ghazi (Rahmatullah 'Alayh) was a globally renowned Islamic scholar of the late 20th and 21st centuries, acknowledged for his intellectual and academic contributions to Islamic Social Sciences, with special reference to the concept of cosmopolitan Islamic jurisprudence. His command and contribution to the subject of Seerah can be visualised in his academic treatise "Muhaadraat-e-Seerat". Dr. Mahmood Ahmad Ghazi was a daa'i, scholar, researcher, speaker, and a judge of high repute. His academic contributions have made him immortal in the history of Islamic social sciences.

ڈاکٹر محمود احمد غازی ۱۸ ستمبر ۱۹۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کراچی ہی میں حاصل کی۔ کراچی کے بڑے تعلیمی ادارے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں بھی کچھ عرصے زیر تعلیم رہے۔ ۶۰ کی دہائی کے آخر میں آپ کے والد حافظ محمد احمد صاحب اسلام آباد منتقل ہو گئے تو ڈاکٹر صاحب بھی وہیں چلے گئے۔ آپ کی مزید تعلیم اسلام آباد اور راول پنڈی میں ہی مکمل ہوئی۔ ۱۹۷۲ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ماسٹر کیا، اور پھر اسی یونیورسٹی سے آپ نے پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔

ڈاکٹر صاحب نے پاکستان اور بیرون پاکستان اہم ترین ذمے داریاں ادا کیں، اور ہر ذمے داری میں امتیازی صلاحیتوں کے ساتھ نمایاں رہے۔ آپ وفاقی وزیر مذہبی امور۔ صدر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔ نائب صدر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔ ڈائریکٹر جنرل شریعہ اکیڈمی۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔ ڈائریکٹر جنرل دعوۃ اکیڈمی۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔ جج شریعت اپیلٹ بنچ سپریم کورٹ آف پاکستان۔ خطیب شاہ فیصل مسجد، اسلام

آباد۔رکن اسلامی نظریاتی کونسل وغیرہ اہم ترین مناصب پر فائز رہے۔اس وقت بھی آپ اہم ترین ذمے داریوں پر فائز تھے۔آپ مارچ ۲۰۱۰ء سے وفاقی شرعی عدالت، اسلام آباد کے جج تھے، اور اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے شریعہ بورڈ کے چیرمین کا منصب بھی آپ کے پاس تھا۔ ڈاکٹر صاحب نہایت جفا کش محنتی، کمیٹڈ اور دل دردمند رکھنے والے محقق، عالم، مفکر، داعی اور فقیہہ تھے۔اسلامی بینکنگ کے آپ پاکستان میں بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔تکافل کا ابتدائی خاکہ آپ ہی کا تشکیل کردہ ہے جس پر پاکستان سے پہلے بعض عرب ممالک میں عمل ہوا۔ڈاکٹر صاحب پاکستان میں آئینی اور قانونی معاملات میں اسلامی دفعات کے بھی ماہر سمجھے جاتے تھے، جنرل ضیاالحق مرحوم سے لے کر جنرل مشرف تک ہر دور میں حکم ران آپ سے اس سلسلے میں مستفید ہوتے رہے، یہ الگ بات ہے کہ حکومتی مزاج ڈاکٹر صاحب کی باتوں کو کس قدر ہضم کر پایا۔ڈاکٹر صاحب ہمیشہ نتائج سے بے پروا ہو کر دردمندی اور خیر خواہی کے جذبے سے ہر حاکم وقت کو صحیح مشوروں سے نوازتے رہے۔ایک گفت گو میں حال ہی میں انہوں نے فرمایا بھی تھا کہ مجھے اس نیک مقصد کے لئے کوئی آئندہ بھی بلائے گا تو میں جانے کو تیار ہوں۔

ڈاکٹر صاحب اردو، عربی، فارسی، انگریزی، فرانسیسی سمیت متعدد زبانوں کے ماہر تھے اور ان زبانوں میں تحریر اور گفت گو دونوں کا مکمل ملکہ رکھتے تھے، یہی سب ہے کہ آپ کی تصانیف خاص طور پر اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی اور عربی میں موجود ہیں۔عربی میں آپ کی آخری تالیف تاریخ حرکۃ المجددیہ ہے۔جس میں برعظیم کے عظیم عبقری شخصیت حضرت مجدد الف ثانی کے احوال وآثار اور خدمات و تصنیفات کا علمی جائزہ لیا گیا ہے اور چار سو سے زائد صفحات کی اس کتاب کی خاص بات پچاس سے زائد مکتوبات مجدد کا عربی ترجمہ ہے جو ڈاکٹر صاحب کی فارسی اور عربی دانی، علمی تبحر اور تصوف کے دقائق سے گہری واقفیت کا ثبوت ہے۔ڈاکٹر حمید اللہ کی فرانسیسی زبان پر مشتمل دو جلدوں میں سیرت کی مشہور کتاب کا ترجمہ ڈاکٹر صاحب نے براہ راست فرانسیسی سے انگریزی میں کیا تھا۔جو بہت مقبول ہوا۔افسوس اس کی دوسری جلد انگریزی میں منتقل نہ ہو سکی۔

اردو داں طبقے میں ڈاکٹر صاحب کا سلسلہ محاضرات بڑا مقبول ہوا۔جس کی چھ جلدیں اہل علم کو متاثر کر چکی ہیں۔ان میں سے ہر جلد ۱۲ خطبوں پر مشتمل ہے، جن کے موضوعات یہ ہیں: قرآن، حدیث، سیرت، فقہ، شریعت، معیشت وتجارت۔

ڈاکٹر صاحب انتہائی متدین اور حد درجہ متقی شخص تھے، برس ہا برس کا مشاہدہ ہے کہ سرکاری و دفتری ذمے داریوں میں سرکاری مراعات سے کبھی ذاتی فائدہ نہیں اٹھایا۔ڈاکٹر صاحب کا وجود عالم اسلام کے

لیے بسا غنیمت تھا، بین الاقوامی فورم پر اسلام اور پاکستان کی نمائندگی کا جو سلیقہ ڈاکٹر صاحب کو حاصل تھا، اس کی مثال کم ملے گی۔ پھر علم وفضل اور دینی حمیت وتصلب کے ساتھ ساتھ حسن تکلم وحکمت کی دولت سے آراستہ تھے، جس سے وہ ایسے مواقع پر بھرپور فائدہ اٹھاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، درجات بلند کرے، اور ان کی مساعی کو قبول فرمائے۔ ایسی شخصیات صدیوں میں بھی کم ہی پیدا ہوتی ہیں۔

خدمات سیرت

ڈاکٹر صاحب کی خدمات سیرت گو کمیت میں زیادہ نہیں ہیں، کیوں کہ ڈاکٹر صاحب کا اصل میدان فقہ، مقاصد شریعہ اور قانون بین الممالک تھا، مگر کیفیت کے لحاظ سے ان کا مقام بلند ہے۔ مگر یہ کام بھی قدرے منتشر ہے، کیوں کہ اس کا بڑا حصہ مضامین پر مشتمل ہے، پھر بعض کتب کی تقاریظ اور مقدمے بھی اس میں شامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بعض ایسے پہلوؤں کو اپنی تحقیق کا عنوان بنایا ہے، جن پر اردو میں زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ لیکن اس تمام ذخیرے میں محاضرات سیرت سب سے نمایاں اور وقیع اہمیت کی حامل ہے، اس لئے اس پر علیحدہ گفت گو ہوگی، ابتدا میں ہم اس ذخیرے کی فہرست پیش کرتے ہیں۔

۱۔ محاضرات سیرت۔ لاہور۔ الفیصل

2-The Hijrah, Islamabad, Da'wah Academy, 2003, 69PP

۳۔ اسلام کا قانون بین الممالک۔ اسلام آباد، شریعہ اکیڈمی۔ ۲۰۰۷ء۔ ۵۳۵ص (یہ کتاب بارہ خطبات پر مشتمل ہے، جس کا بڑا حصہ سیرت طیبہ سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔)

۴۔ امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں۔ شیخ زید اسلامک مرکز جامعہ کراچی۔ ۱۱ مارچ ۲۰۰۴۔ ۳۳ص

۵۔ خطبہ صدارت۔ سیرت کانفرنس۔ مقالات سیرت۔ جامعہ اسلامیہ بہاول پور ۱۱، ۱۳ فروری ۲۰۰۰ء

۷۔ رسول اللہ ﷺ بہ حیثیت ایک مدبر۔ مقالات سیرت، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ۱۹۸۴ء (یہ مقالہ اس سے قبل ۱۹۸۲ء میں فکر ونظر، اسلام آباد میں بھی شائع ہو چکا ہے)

۸۔ رسول اکرم علیہ السلام اور قانون بین الممالک۔ مشمولہ: رسول اللہ بہ حیثیت شارع و مقنن۔ شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔ ۲۰۰۵ء

۹۔ خطبہ استقبالیہ۔ قومی سیرت کانفرنس۔ اختتامی اجلاس۔ بہ حیثیت وزیر مذہبی امور۔ مشمولہ: مقالات سیرت۔ وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان، اسلام آباد

۱۰۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی سیرت نگاری، چند پہلو۔ مشمولہ: شش ماہی السیرہ، عالمی شمارہ ۱۰۔ اکتوبر ۲۰۰۳ء

۱۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ بیسویں صدی کے ممتاز ترین محقق۔ (سیرت نگار کی حیثیت سے) ماہنامہ دعوۃ اسلام آباد۔ مارچ ۲۰۰۳ء

۱۲۔ تقدیم: عہد نبوی ﷺ میں علمی سرگرمیاں۔ اردو ترجمہ التراتیب الاداریہ للکتانی۔ مترجم مولانا محمد ابراہیم فیضی

۱۳۔ مقدمہ: تعلیمات نبوی ﷺ اور آج کے زندہ مسائل۔ از سید عزیز الرحمٰن

ذیل کی سطور میں ہم کوشش کریں گے کہ اختصار کے ساتھ ان میں سے بعض پہلوؤں کا تعارف پیش کر سکیں

محاضرات سیرت: اردو میں محاضرات کی روایت خاصی قدیم ہے، اس سلسلۂ محاضراتِ سیرت کی ایک اہم کڑی ڈاکٹر محمود احمد غازی کے محاضراتِ سیرت ہیں، جو انہوں نے ۲۴ جولائی سے ۵ اگست ۲۰۰۶ء تک اسلام آباد میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے زیر اہتمام پیش کئے۔ اُن کے عنوانات درج ذیل ہیں

مطالعۂ سیرت کی ضرورت و اہمیت

سیرت اور علومِ سیرت، ایک تعارف

چند نامور سیرت نگار اور اہم کتبِ سیرت: ایک جائزہ

علمِ سیرت، آغاز، تدوین، ارتقا، توسیع

سیرت نگاری کے مناہج و اسالیب

ریاستِ مدینہ، دستور اور نظامِ حکومت

ریاستِ مدینہ، معاشرت اور معیشت

کلامیاتِ سیرت

فقہیاتِ سیرت

مطالعۂ سیرت، پاک و ہند میں

مطالعۂ سیرت، دورِ جدید میں

مطالعۂ سیرت، مستقبل کی ممکنہ جہتیں

حقیقت یہ ہے کہ فن سیرت، علوم سیرت اور سیرت نگاری کے حوالے سے یہ محاضرات خاص انفرادیت کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے سیرت نگاری کے اسلوب، مناہج اور خصائص پر بھی تفصیل سے گفت گو کی ہے اور بتایا ہے کہ سیرت نگاری نے آغاز سے لے کر اردو سیرت نگاری تک کیا کیا مدارج

طے کئے، اور کن کن مراحل سے گزر کر آج وہ ہم تک پہنچی ہے۔ ڈاکٹر صاحب چوں کہ علومِ اسلامی کی تاریخ کے ساتھ ساتھ علومِ قرآنی، علومِ حدیث، فقہ و اصول الفقہ، قانون بین الممالک وغیرہ علوم وفنون پر مجتہدانہ دست رس رکھتے تھے، اس بنا پر ان کے خطبات نہ صرف یہ کہ علومِ سیرت کا جامعیت سے احاطہ کرتے ہیں اور وہ فنِ سیرت کی ان پہلوؤں سے اپنے قارئین کو آگاہ کرتے ہیں جو ان سے قبل عام قارئین کی نظروں سے اوجھل تھے، بل کہ وہ دیگر علوم وفنون میں اپنی مہارت کو بھی فنِ سیرت کے بیان کے لئے استعمال کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ محاضراتِ سیرت میں جا بہ جا ہمیں تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول الفقہ کے حوالے اور اصطلاحات نظر آتی ہیں۔

اسلوب کے لحاظ سے بھی ڈاکٹر غازی صاحب کے یہ خطبات ڈاکٹر حمید اللہ کے خطباتِ بہاول پور کی توسیع محسوس ہوتے ہیں، کیوں کہ ان میں ٹھوس علمی انداز اختیار کیا گیا ہے مگر اسلوب کی جاذبیت اور زبان کی چاشنی کی وجہ سے قاری کی دل چسپی نہ صرف یہ کہ آخر تک برقرار رہتی ہے بل کہ اس موضوع پر مزید پڑھنے کا رجحان اس میں بیدار ہوتا ہے۔

محاضرات سیرت پر تبصرہ فرماتے ہوئے ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی نے کہا تھا:

> محاضرات قرآنی، محاضرات حدیث اور محاضرات فقہ کے بعد ڈاکٹر محمود احمد غازی نے محاضرات سیرت کا تحفہ اردو زبان و ادب کو دیا ہے، یہ چاروں کتب ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں، قرآن نے جو ہدایات دی ہیں اور انسان کامل کی جو صفات بیان کی ہیں ان کا عملی نمونہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور آپ کو قیامت تک مسلمان معاشرے میں ''مثالی'' اور رول ماڈل کی حیثیت حاصل رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اصول بیان فرمائے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ابدی اصولوں کی بنا پر ایک مثالی معاشرہ قائم فرمایا، اور احادیث اسی اسلامی معاشرے کی بنیاد ہیں، انکار حدیث کے فتنے کی سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ مسلمان اس معاشرے کی بازیافت نہ کرسکیں۔ فقہ قرآن وحدیث کی بنا پر اسلامی قوانین کو مرتب شکل دیتی ہے، ان اسلامی قوانین کی تجسیم سیرت محمد علی صاحبہا الصلاۃ والسلام ہے۔ ان معروضات سے ان کتابوں کا باہمی رشتہ سامنے آسکتا ہے۔ یہ اسی کل کے اجزا ہیں جسے ہم اسلام کہتے ہیں۔(۱)

ڈاکٹر غازی صاحب کے محاضراتِ سیرت کے حوالے سے گفت گو کرتے ہوئے اس کے ذیلی عنوانات ومباحث کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہے اور درحقیقت اسی سے اندازہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب نے

کس جامعیت، دقتِ نظر اور تخلیقی صلاحیتوں سے کام لے کر اس سلسلہ محاضرات کو مرتب کیا اور محض چند تحریری اشاروں کے ذریعے اس قدر ہمہ جہت مطالعہ قارئین سیرت کے سامنے پیش کیا۔ محاضرات کے مرکزی عناوین تو اوپر پیش کئے جا چکے ہیں، اب ذرا ذیلی عنوانات ملاحظہ کیجئے۔ دوسرا خطبہ سیرت اور علوم سیرت ایک تعارف ایک جائزہ ہے اس کے ذیلی عنوانات یہ ہیں: طب نبوی۔ لوک سیرت۔ تعلیمات سیرت۔ روحانیات سیرت۔ ادبیات سیرت۔ مداح نبوی۔ اجتماعیات سیرت۔ نفسیات سیرت۔ دلائل نبوت۔ جغرافیہ سیرت۔ مصادر سیرت۔ ان تمام عنوانات کی اہمیت سے وہ لوگ واقف ہیں جو سیرت کے حوالے سے وسیع مطالعہ رکھتے ہیں، لیکن خصوصیت کے ساتھ لوک سیرت کی اصطلاح ڈاکٹر صاحب کی وضع کردہ ہے۔ اس اصطلاح کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> لوک سیرت پر مسلمان اہل قلم قدیم زمانے سے لکھتے چلے آرہے ہیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ عامۃ الناس کو سیرت کے بنیادی حقائق سے واقف کرایا جائے اور سیرت پر ایسے چھوٹے چھوٹے رسالے اور کتابچے تیار کرائے جائیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت، آپ کی فضیلت اور بزرگی لوگوں کے سامنے آجائے۔ لوگ سیرت کا ایک بڑا اہم نمونہ میلاد نامے اور موالید بھی ہیں۔ میلاد نامہ اگرچہ نام کے اعتبار سے صرف میلاد نامہ ہے لیکن اس میں صرف ولادت رسول کا تذکرہ نہیں ہوتا۔ ولادت مبارکہ کے ساتھ حضور کے معجزات اور حضور کی ولادت سے پہلے ہونے والی بشارتیں، جس کو صوفیا کی زبان میں ارہاصات کہتے ہیں۔ ان کا تذکرہ بھی ہوتا ہے۔ ارہاص سے مراد کسی عظیم روحانی شخصیت کی ولادت سے پہلے بعض ایسے شواہد جو اہل روحانیت اور اہل کشف کے سامنے آنے لگیں، ان چیزوں کو ارہاص کہتے ہیں۔ پھر حضور ﷺ کے بچپن، رضاعت اور ابتدائی تربیت کے بارے میں معلومات جمع کی گئیں۔ یہ کتب موالید کب سے لکھی جانی شروع ہوئیں؟ اس کے بارے میں تعین کے ساتھ کچھ کہنا دشوار ہے۔ (۲)

اسی طرح روحانیات سیرت کے عنوان کے تحت ڈاکٹر صاحب نے جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ اپنی جگہ پر خود اہمیت کی حامل ہیں، اور اس موضوع پر صوفیانہ ادبیات کا ڈاکٹر صاحب نے نہایت جامعیت اور حسن اختصار کے ساتھ احاطہ کیا ہے۔

ادبیات سیرت کے موضوع پر بھی ڈاکٹر صاحب کی فراہم کردہ معلومات نہایت وقیع ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بیان کیا ہے کہ فصاحت و بلاغت کے حوالے سے رسول اکرم ﷺ کے کلام کی اہمیت کو کس

طرح اہل ادب نے نمایاں کیا اور ماہرین لغت و ادب نے رسول اکرم ﷺ کے اسالیب کی کس کس حوالے سے خدمت کی ہے۔(۳)

اجتماعیات سیرت یا سوشالوجی آف سیرۃ بھی ایک بڑا موضوع ہے۔محاضرات سیرت میں ڈاکٹر صاحب نے اس پر کلام کرتے ہوئے بھی نہایت اہم معلومات فراہم کی ہیں۔ڈاکٹر صاحب اس حوالے سے گفت گو کرتے ہوئے نجاشی اور ہجرت حبشہ کا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں،اور ہجرت حبشہ کے حوالے سے مقام ہجرت کے انتخاب کی اہمیت،نجاشی کے نام مکتوب نبوی ﷺ بہ ذریعہ عمرو ابن امیہ الزمری بھیجنے کی حکمت اور نجاشی سے رسول اللہ ﷺ کے تعلقات کی نوعیت پر اہم تفاصیل پیش کرتے ہیں۔(۴)

نفسیات سیرت بھی ایک نیا عنوان ہے جس پر ڈاکٹر صاحب نے تفصیل سے کلام کیا ہے۔آپ نے تبلیغ ودعوت کے میدان میں نفسیاتی اصولوں کو پیش نظر رکھنے کے حوالے سے بھی اہم تفصیلات پیش کی ہیں اور دعوت نبوی میں تدریج کی اہمیت کو مثالوں سے واضح کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے مخالفت کی شدت کو کم کرنے کے لئے کس طرح مخالفین کے مزاج اور نفسیات کا لحاظ رکھا،رسول اکرم ﷺ کی یہ کوشش بھی ہوتی تھی کہ کسی کے دل میں کوئی بدگمانی پیدا نہ ہو اور بات واضح ہو جائے۔(۵)

موضوعات کے حوالے سے محاضرات کا چوتھا خطبہ مناہج سیرت بھی اہمیت کا حامل ہے،جس میں انہوں نے محدثانہ اسلوب،مورخانہ اسلوب،مولفانہ اسلوب،فقیہانہ اسلوب،متکلمانہ اسلوب،ادیبانہ اسلوب اور مناظرانہ اسلوب پر گفت گو کی ہے۔اپنے موضوع جامعیت اور تخلیقی اپج کے حوالے سے محاضرات سیرت کے دو خطبے نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ان خطبات سے ڈاکٹر صاحب کے تخلیقی جوہر،مجتہدانہ فکر اور بصیرت افروز اور گہری علمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے یہ خطبات ہیں کلامیات سیرت اور فقہیات سیرت۔ان سطور میں ان کا اختصار بھی پیش نہیں کیا جا سکتا،ورنہ اندازہ ہوتا کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی مجتہدانہ بصیرت سے کام لے کر ان موضوعات کو کس قدر وسعت عطا کر دی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی رائے یہ بھی ہے کہ سیرت نگاری کے حوالے سے برعظیم پاک و ہند کو امتیاز وانفرادیت حاصل ہے۔اور یہاں اہل قلم کے ہاتھوں انجام پانے والی خدمتِ سیرت اس قدر ہے کہ اس پر برعظیم کے مسلمان باشندوں کو نا صرف بارگاہ رب العلی میں سجدہ تشکر ادا کرنا چاہئے،بل کہ برعظیم میں جو کام ہوا ہے اس پر ہمیں کسی حد تک احساسِ تفاخر بھی ہونا چاہئے۔(۶)

ڈاکٹر صاحب نے اس حوالے سے بہت سے اہم شخصیات کا ذکر کیا ہے اور ان کی خدمات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔اس سلسلے میں انہوں خصوصیت کے ساتھ برعظیم پاک و ہند کی تین عظیم شخصیات شاہ عبدالحق

محدث دہلویؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کا نہایت عقیدت اور اہتمام کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے ایک خطبے میں اردو سیرت نگاری کے مناہج اور اسالیب پر بھی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، اور ان کی اہمیت پر گفت گو کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اردو سیرت نگاری کے درج ذیل اسالیب متعین کئے ہیں:

۱۔ سیرت نگاری کا روایتی اسلوب
۲۔ سیرت نگاری کا تجزیاتی اسلوب
۳۔ سیرت نگاری کا موضوعاتی اسلوب
۴۔ سیرت نگاری کا عسکری پہلو
۵۔ سیرت نگاری کا انتظامی پہلو
۶۔ سیرت نگاری کا جدید تاریخی پہلو
۷۔ سیرت نگاری کا کلامی اسلوب
۸۔ سیرت نگاری کا مناظرانہ اسلوب
۹۔ سیرت نگاری میں تجدیدی اور احیائی رجحانات
۱۰۔ سیرت کے جامع تر مطالعہ کا رجحان
۱۱۔ سیرت نگاری اور مغربی اسلوب استدلال
۱۲۔ سیرت نبوی قرآن پاک کی روشنی میں
۱۳۔ سیرت کانفرنسیں اور مسند ہائے سیرت
۱۴۔ مجلّہ ہائے سیرت
۱۵۔ مراکز مطالعہ سیرت (۷)

محاضرات سیرت کا آخری خطبہ ''مطالعہ سیرت، مستقبل کی ممکنہ جہتیں'' بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے جس میں انہوں نے سیرت نگاروں کے لئے مستقبل کی ضرورتوں اور جہتوں کا اظہار کیا ہے اور ان عنوانات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جو اہل علم کی توجہ کے منتظر ہیں۔ ان عنوانات میں خاص طور سے جغرافیہ عرب، انساب عرب، مستشرقین کی جانب سے اٹھائے جانے والے بعض اہم سوالات، طوامیر بحر میت یا Dead Sea scrolls کے حوالے سے سامنے آنے والے نئے مباحث نفسیات سیرت، قدیم کتب کے مغربی زبانوں میں تراجم، بعض مخطوطات کی اشاعت شامل ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے طرز استدلال کی خوبی یہ ہے کہ وہ کسی ایک موضوع پر بھی کلام کرتے ہوئے بہ یک وقت کئی علوم وفنون سے استفادہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے محاضرات سیرت میں بھی مختلف علوم و فنون سے استفادہ کیا ہے اور مباحث سیرت کو اپنی ترتیب پر پیش کیا ہے۔ وہ قرآنیات، حدیث، اصول الفقہ علم کلام اور جغرافیہ وادب سب کو ساتھ لے کر چلتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ان سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ خوبی محاضرات سیرت کو معاصر لٹریچر سے ممتاز کرتی ہے۔ اپنی بات کی وضاحت کے لئے ایک مثال ناگزیر ہے۔ ڈاکٹر صاحب شریعت اسلامی کی اہمیت اور اس کے امتیازات پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> شریعت کے بارے میں اختصار کے ساتھ یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے اور اتنے مضبوط عقلی دلائل پر استوار ہے کہ چودہ سو سال سے اس پر لوگ غور کر رہے ہیں اور اس کے عقل پر مبنی ہونے کے نئے نئے دلائل سامنے آرہے ہیں۔ اس کے مکمل ہونے کے بارے میں نئے نئے پہلو سامنے آرہے ہیں۔ شریعت میں جن موضوعات پر احکام دیئے گئے ہیں ان میں خالص اخلاقی احکام بھی شامل ہیں۔ روحانیات کے اصول بھی ہیں اور خالص قانونی مسائل اور تصورات بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں عملیت یعنی اس کا practical ہونا بھی ہے۔ شریعت بہ یک وقت عملی چیز بھی ہے اور مثالی بھی ہے۔ اس میں قانون اور اخلاق کا انسانی تاریخ میں پہلی بار کامیاب اجتماع بھی ہے۔ شریعت کا ہر حکم اخلاقی اصولوں پر مدار رکھتا ہے اور تمام اخلاقی اصول قانون کی شکل میں concretize ہوتے ہیں۔ نہ یہاں اخلاق وقانون محض نظریہ ہے جس کی عملی تشکیل کا سامان نہ ہو، جس طرح کہ دوسرے بہت سے نظاموں میں بعض نظریات ہوتے ہیں کہ نظریاتی حد تک تو وہ بہت خوش نما اور اچھے اخلاقی اصول ہوتے ہیں لیکن عمل کی میزان میں بہت ہلکے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ بات کہ کوئی تمہارے ایک گال پر چانٹا مار دے تو تم دوسرا گال بھی اس کے سامنے کر دو، تقریر کرنے میں تو اچھی لگتی ہے، لیکن کیا آج تک کوئی ایسا آدمی آیا ہے جس نے ایک گال پر چانٹا کھا کر دوسرا گال بھی واقعتاً دشمن کے سامنے پیش کر دیا ہو۔ کسی دشمن نے ایک شہر فتح کر لیا ہو تو مفتوح ملک کے حکمران نے دوسرا شہر بھی رضا کارانہ طور پر خالی کر دیا ہو کہ یہ بھی لے لو۔ ایک کمرے میں ڈاکہ پڑا ہو تو دوسرے کمرے کا دروازہ بھی کھول دیا ہو کہ میاں چور یہاں کا مال بھی لے جاؤ۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ نظری حد تک، تقریر کرنے اور شعر وشاعری کے لئے یہ بڑا اچھا نعرہ ہے، لیکن جب تک

کسی نعرے کو قانون کی شکل دے کر عملاً یہ نہ بتایا جائے کہ اس پر عمل کیسے ہوگا وہ محض ایک نظریہ اور ایک نعرہ ہے۔(۸)

اسلام کا قانون بین الممالک: محاضراتِ سیرت کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے خطباتِ بہاول پور(۲) یا اسلام کا قانون بین الممالک بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ جو ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطباتِ بہاول پور کے سلسلے کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں ہی ۱۹۹۵ء میں دیئے گئے تھے۔ یہ خطبات قانون بین الممالک سے تعلق رکھتے ہیں مگر اس کے چند خطبے براہِ راست سیرتِ طیبہ سے متعلق ہونے کے ساتھ ساتھ تمام خطبات میں سیرت ومتعلقاتِ سیرت سے استفادہ موجود ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اس کے خطبات اسلام کا قانون بین الممالک ایک تقابلی جائزہ، اسلام کا تصورِ ریاست بین الاقوامی تناظر میں، ہجرت اور اس کا فلسفہ بین الاقوامی تعلقات کے تناظر میں، اسلامی ریاست اور غیر مسلموں سے اس کے تعلقات، اسلام کا تصورِ جنگ اور قانونِ جنگ براہ راست مباحث سیرت سے تعلق رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے ان خطبات میں بہت سے اہم مباحث کو عام فہم انداز میں پیش کیا ہے اور فکر ونظر کے نئے باب وا کئے ہیں۔ امت اور امامت کی بحث کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہیں اور انہیں امت واحدہ قرار دینے کی توجیہ وحکمت بیان کرتے ہوئے اس ضمن میں ان ابراھیم کان امة قانتا لله حنیفا (۹) سے استدلال کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم جہاں ایک فرد تھے وہاں خود اپنی ذات میں ایک انجمن بھی تھے۔ ڈاکٹر صاحب اس کی تائید میں حضرت زید بن عمرو بن نفیل کا واقعہ بھی بیان کرتے ہیں، جو حضرت عمر فاروقؓ کے چچا تھے۔ ان کے بارے میں بھی جب ان کے صاحب زادے سعید بن زیدؓ نے پوچھا کہ میرے والد بھی ملت ابراہیمی کی بات کیا کرتے تھے اور کفر وشرک سے اظہار برأت کیا کرتے تھے، ان کا روز قیامت کیا مقام ہوگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

یبعث امة وحده(۱۰)

وہ تنہا ایک امت کے طور پر اٹھائے جائیں گے۔

اس لئے کہ وہ تن تنہا ہی ایک دین پر قائم تھے اور ان نظریات کے قائل تھے جو انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کا خاصہ ہوتے ہیں۔(۱۱)

اسی طرح امت مسلمہ کی ذمے داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے قرآن کریم سے استشہاد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم میں جہاں اس امت کے امت وسط ہونے کا ذکر ہے وہیں امت کا ایک بہت بڑا فریضہ ایک عجیب اسلوب میں بیان کیا گیا ہے:

لتکونوا شھداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شھیدا○ (۱۲)

تاکہ تم پورے انسانوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ بن جائیں۔

یعنی جو تعلق اس امت کا اپنے پیغمبر کے ساتھ ہے وہی تعلق اس امت کا دیگر امتوں کے ساتھ ہے۔ پیغمبر نے اپنے قول و فعل، اپنے طرز عمل اور اپنے رویے، اور اپنی سنت اور طریقے سے امت کو بتایا ہے کہ مسلمان ایسا ہوتا ہے، آپ نے اپنے اسوہ حسنہ سے سمجھایا کہ اسلام کے پیغام کے علم بردار کو ایسا ہونا چاہیے جس کو دیکھ کر دوسرے انسان اندازہ کرلیں کہ اسلام کا پیغام کیا ہے۔ اسی طرح سے امت کا وجود دوسرے انسانوں کے لیے زبان حال و زبان قال سے امت کے کردار کا عکاس ہونا چاہیے، تاکہ امت کو دیکھ کر لوگ پہچان لیں کہ محمد عربی ﷺ کے نام لیوا ایسے ہوتے ہیں۔ (۱۳)

ہجرت ڈاکٹر صاحب کا پسندیدہ موضوع ہے، اس پر انہوں نے کئی زاویوں سے نظر ڈالی ہے۔ اس موضوع پر انگریزی میں ان کی کتاب The Hijrah بھی لائق مطالعہ ہے، جس پر آگے چل کر گفتگو ہو گی۔ خطبات بہاول پور۔۲ میں ایک خطبہ خاص فلسفہ ہجرت کے موضوع پر ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ہجرت کو اسلام کی عالم گیریت کا استعارہ قرار دیا ہے اور اسلام کے فلسفہ ہجرت اور جہاد کو اس کے عالم گیر کردار کی علامت اور تعارف کے طور پر پیش کیا ہے۔ اپنا موقف پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> خود رسول اللہ ﷺ بلاشبہ عرب تھے اور قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن جب بھی آپ کو یا آپ کی موجودگی میں کسی اور کو اس حسب و نسب یا لسانی یا جغرافیائی نسبت سے اس انداز سے منسوب کیا گیا کہ اس سے امت کی عالم گیر وابستگی پر زد پڑتی ہو تو آپ نے اسے پسند نہیں کیا۔ حضرت کعب بن زہیرؓ کا مشہور واقعہ آپ کے سامنے ہے، وہ جب اپنا مشہور قصیدہ حضور علیہ السلام کے روبہ رو پڑھ رہے تھے تو ایک جگہ انہوں نے حضور کو تلوار سے تشبیہ دی۔ ان دنوں عرب میں ہندی تلواروں کی مضبوطی کی بہت شہرت تھی، کسی بھی جنگ جو کی بہادری کو بیان کرنے کے لیے اسے ہندی تلواروں سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ اسی انداز کی پیروی کرتے ہوئے صحابی شاعر نے رسول اللہ ﷺ کی بہادری بیان کرتے ہوئے کہا:
>
> ان الرسول لنور یستضاء بہ
>
> وسیف من سیوف الھند مسلول
>
> اللہ کے رسول ایک ایسا نور ہیں جس سے چہار سو روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ وہ ہندستان کی تلواروں میں ایک تلوار ہیں جو راہ جہاد میں بلند کی گئی ہے۔

اس شعر میں شاعر نے رسول اللہ ﷺ کو ''سیوف الہند'' سے تشبیہ دی جسے آپ نے پسند نہیں فرمایا، اور فرمایا سیوف الہند کے بہ جائے سیوف اللہ کہو۔ ہندی تلوار سے تشبیہ صرف اس بنا پر ناپسند فرمائی کہ آپ کی عالم گیر رسالت کو کسی علاقائی نسبت سے نہیں بل کہ رب کائنات کے ساتھ تعلق کے عالم گیر حوالے سے دیکھا جائے۔(۱۴)

ہجرت حبشہ کے حوالے سے عام تاثر یہ ہے کہ اس میں شرکت کرنے والے صحابہ کرام کم زور طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور اس کا مقصد ان مظلوم صحابہ کو کفار مکہ کے ظلم وستم سے بچانا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اس تاثر کی نفی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر یہ مقصود ہوتا تو ہجرت حبشہ میں حضرت بلال اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ ضرور شامل ہوتے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہجرت کرنے والوں میں بڑے بڑے ذی حیثیت اور با اثر قبائل کے صحابہ بھی شامل تھے، مثلاً حضرت جعفر طیارؓ جو حضرت ابو طالب کے صاحب زادے اور حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی تھے، ان میں حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ بھی تھے جو عرب میں اتنے با اثر اور قابل احترام مانے جاتے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کا نام ثقیفہ بن ساعدہ میں خلافت کے لئے پیش کیا تھا۔ اس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی تھے جو مکے کے بلکہ پورے عرب کے بڑے تاجروں میں سے ایک تھے۔ انہیں میں ابو جہل کے چھوٹے بھائی بھی تھے، ان میں سردار مکہ عقبہ کے بیٹے ابو حذیفہ بھی تھے۔(۱۵) اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ان وجوہات پر روشنی ڈالی ہے جو ہجرت حبشہ کا باعث بنے اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ خاندان نبوت ﷺ کے حبشہ سے کس نوع کے تعلقات تھے(۱۶)

جہاد احکام اسلام میں انتہائی نمایاں اور معرکۃ الآرا موضوع ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک خطبے میں اسلام کے تصور جنگ اور قانون جنگ پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ جہاد ہمیشہ جاری رہے گا اور رسول اللہ ﷺ نے یہ وضاحت فرمائی کہ جہاد ہر طرح کے حکم رانوں کی سربراہی میں ہو گا اس لئے کہ جہاد کے اہداف ومقاصد میں کوئی چیز وقتی یا عارضی نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

> جہاد کو رسول اللہ ﷺ نے اسلام کا امتیازی وصف قرار دیا اور عمارت اسلام کا سب سے اونچا کنگرا ٹھہرایا، اس لیے کہ دنیا میں مسلمانوں کی کام یابی وکامرانی اسی جذبہ جہاد سے وابستہ ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمان جہاد کرتے رہے ہیں کامیابی وکامرانی ان کے قدم چومتی رہی ہے، اور جب سے انہوں نے اس راستے کو چھوڑ دیا ہے ذلت اور رسوائی ان کا مقدر ہوگئی ہے۔(۱۷)

ڈاکٹر صاحب نے جہاد پر گفت گو کرتے ہوئے مقاصد جہاد پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اس موضوع پر

تفصیل سے کلام کیا ہے۔ اس ضمن میں اسوہ حسنہ اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور معمولات سے استشہاد کرتے ہوئے جہاد کے اہداف کو واضح انداز میں بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی جنگوں سے جو سبق ملتا ہے اور مختلف ہدایات جو آپ ﷺ نے وقتاً فوقتاً دی ہیں ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب جنگ کی نوبت آجائے اس وقت زیادہ سے زیادہ دشمن کا قتل عام نہیں ہونا چاہئے، بل کہ ہدف یہ ہونا چاہئے کہ کم سے کم خون بہایا جائے اور کم سے کم جانی نقصان کے ساتھ دشمن کی قوت کو توڑ دیا جائے، تاکہ جو قوتیں اسلام کے خلاف کھڑی ہیں وہ اسلام کے مقابلے کے لئے آئندہ پھر کھڑا ہونے کے قابل نہ رہیں اور اسلام کے راستے میں آگے چل کر پھر کوئی رکاوٹ پیدا نہ کریں۔ (۱۸)

ڈاکٹر صاحب کے یہ محاضرات یعنی اسلام کا قانون بین الممالک اس نوع کے بہت سے مباحث سے مالا مال ہے، جن کا تعلق سیرت طیبہ کے بہت سے اہم پہلوؤں سے ہے۔

The Hijrah ہجرت کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کی یہ انگریزی کتاب پندرہویں صدی کے آغاز پر تحریر کی گئی تھی، اور دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد سے شائع ہوئی تھی۔ اس کا ترجمہ عزیز الدین خضری کے قلم سے شش ماہی السیرۃ، عالمی میں شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں ہجرت کے فلسفے اور اس کی تمام اہم جہتوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس کا تاریخی پس منظر بیان کیا ہے۔ انبیائے کرام کی ہجرتوں کے بارے میں قرآن کریم نے جو تفاصیل بیان کی ہیں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ہجرت اور جہاد کے باہمی تعلق کو واضح کیا ہے۔ اور ہجرت کو عفو عام اور خیر خلق کی علامت قرار دیتے ہوئے اس کے فوائد اور اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور اس کی روح کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے ضمن میں نسلی امتیاز کے خاتمے کے حوالے سے بھی ہجرت کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ ہجرت میں اخلاص مقصد و نیت کی اہمیت واضح کی ہے اور بیان کیا ہے کہ ہجرت روحانی تزکیے کا بھی ایک بڑا معاون عنصر ہے۔ اس مضمون کے اختتام پر ڈاکٹر صاحب نے موجودہ دور میں ہجرت کے مفاہیم اور ضرورت پر روشنی ڈالی ہے۔

ڈاکٹر صاحب ہجرت کا تاریخی تناظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ہجرت ہمیشہ قائم رہنے والی حقیقت ہے۔ تاریخ کے آغاز سے یہ تمام مصلحین کا طرۂ امتیاز رہی ہے۔ انسان کی تخلیق ہی کے ساتھ سے یہ دنیا جنگ و جدل کی آماج گاہ رہی ہے۔ اس نے سدا داعیانِ حق کے ساتھ باطل پرستوں کی کشمکش کا مشاہدہ کیا ہے۔ انبیائے کرام کو الوہی ماخذ سے جو کچھ ملا اس کے نفاذ کی انہوں نے جہد جہد کی، مگر منکرین کی مخالفت کے بغیر ایسا کبھی نہیں ہوا۔ بہت سے مواقع پر وہ اپنے اصلی وطن و اہل و عیال کو چھوڑنے پر،

دوسرے موزوں علاقے کی تلاش میں جوان کے مشن اور تبلیغ کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو، مجبور کر دیئے گئے۔ قرآن پاک نے اس قسم کی کچھ جستجوؤں کی جھلکیاں بیان کی ہیں۔(۱۹)

ڈاکٹر صاحب نے ہجرت اور جہاد کے باہمی تعلق کو بھی نہایت تفصیل کے ساتھ واضح کیا ہے اور جہاد کے مختلف افادی پہلوؤں کا تعلق ہجرت سے استوار کرتے ہوئے دونوں کے باہمی مشترک اجزا کی نشان دہی کی ہے۔ ہجرت کو ڈاکٹر صاحب جہاد کے تدریجی عمل کا ایک اہم مرحلہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہجرت جہاد کے تدریجی عمل میں ایک اہم مرحلہ بنتی ہے۔ یہ ایک دوسرے کو مکمل کرنے والے اور آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ ہجرت کا مطلب مشکلات اور مسائل سے بچنا نہیں ہے۔ اس کے معنی ایک ماحول کی جستجو ہے جو تبلیغی زندگی کے موافق ہو۔

فتح مکہ کے بعد کچھ لوگوں نے سوچا کہ اب ہجرت کی ضرورت نہیں۔ یہ ایک گزرا ہوا واقعہ تھا۔ جب یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ نے اس خیال کی اصلاح فرمائی۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ کچھ صحابہ میں آپس میں مباحثہ ہوا کہ آیا فتح مکہ کے بعد ہجرت کی تنظیمی حیثیت باقی رکھنے کا کوئی جواز باقی رہتا ہے یا نہیں۔ ان میں سے ایک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہجرت کی اب کوئی افادیت باقی نہیں رہی۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

لا تنقطع الهجرة مادام الجهاد (۲۰)

ہجرت اس وقت تک ختم نہیں ہوسکتی جب تک کہ جہاد ہے۔(۲۱)

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ نسلی امتیاز کو بھی ہجرت نے منطقی انجام تک پہنچایا اور قریش کے رہ نما حضرت حمزہ، حضرت ابوبکر، حضرت عثمان وغیرہ نے اپنے اہل وعیال کو مسترد کر دیا اور اپنا تعلق ان سے استوار کر لیا جن کو قریش حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب اس پس منظر میں نسلی امتیاز کے خاتمے کے لئے اسلام کے اقدامات کو نمایاں کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نسلی امتیاز کے تابوت میں آخری کیل مواخات نے، جو رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ہجرت کے فوراً بعد قائم کی تھی، ٹھونک دی۔ ہر مکی مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا دیا تھا۔ اس بھائی چارے کی اہمیت اس ماحول میں مزید بڑھ گئی، جہاں یہ بھائی چارہ قائم کیا گیا تھا وہ ماحول کلی طور پر قبائلی تھا جہاں لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ ہجرت اور اس کا تکملہ مواخات دونوں، جسے بدقسمتی سے بعد کے مسلمان ایک

ادارے میں تبدیل نہ کر سکے، ایک امت کو وجود میں لائے، جس کے لئے خون اور نسل کے رشتے بالکل کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ جب سلمان فارسیؓ سے ان کے خاندانی پس منظر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا ''میں ہوں سلمان بن اسلام''۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

ابی الاسلام لا اب لی سواء

اذا فتخرو ابقیس او تمیم (۲۲)

میرا باپ اسلام ہے میرا کوئی اور باپ نہ ہوگا سوائے اسلام کے، جب کہ لوگ فخر کرتے ہیں (قبیلوں کی نسبت سے) قیس یا تمیم پر۔ (۲۳)

ہجرت اپنے مکمل مفہوم کے شعور کے ساتھ ایک مسلمان کے لئے لازم امر ہے۔ قاضی ابوبکر ابن العربی کہتے ہیں ہجرت اب بھی مسلمانوں پر واجب ہے۔ لیکن اس فریضے کی ادائیگی کی عصر حاضر میں کیا شکل ہو سکتی ہے اس پر غور کرنا نہایت ضروری ہے، کیوں کہ اگر ہجرت کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل کی جائے کہ وہ مسلمان جو غیر مسلم ممالک میں ایک اقلیت کے طور پر رہ رہے ہیں مسلم ممالک کی طرف ہجرت کر جائیں تو عملی طور پر یہ بات ممکن دکھائی نہیں دیتی۔ پھر ہجرت ایسے غیر مسلم ممالک سے کی جاتی ہے جہاں مسلمانوں کے لئے تبلیغ کا کوئی موقع اور اپنے عقائد پر عمل کرنے کا آزادانہ اختیار نہ ہو۔ کیا آج ایسی صورت حال موجود ہے، ان سوالات کو اٹھا کر ڈاکٹر صاحب ہجرت کی اصلی معنویت اور ضرورت پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پہلے قدم کے طور پر ہم میں سے ہر ایک کو ہجرت جسمانی طور پر نہ سہی، اس کی روح اور پیغام کے تناظر میں کرنی چاہئے۔ آج مسلمانوں نے وطن پرستی کا مغربی تصور درآمد کر رکھا ہے اور ان میں مقصد کے ساتھ اخلاص اور جذبۂ قربانی کا بھی فقدان ہے۔ ہم اپنی مشکلات پر روحِ ہجرت کو ازسرنو تازہ کر کر قابو پا سکتے ہیں۔ سب سے پہلے ہمیں اسلام پر اس کے اصلی مفہوم کے مطابق عقلی اور ثقافتی طور پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔ ہم مسلم دنیا میں رہنے کے باوجود اسلام سے بہت دور اور غیر اسلامی عقائد اور طریقوں کے دل دادہ ہیں۔ ہمیں ثقافتی اور شعوری طور پر مغرب کی بالادستی مسترد کر دینی چاہئے۔ ہمیں اجتماعی زندگی کا متحد امت کی حیثیت سے شعور پروان چڑھانا چاہئے۔ ہم صرف روح ہجرت کو ازسرنو زندہ کر کے ہی اس گم گشتہ جنت کو حاصل کر سکتے ہیں۔

چوں کہ ہجرت جہاد کا ایک مرحلہ ہے، اس لئے ایک عالم گیر، مقبول اور ہمہ جہتی جہادی

تحریک ناگزیر ہے۔ ہجرت بہر صورت مقدم ہے اور جہاد بعد میں ہونا چاہئے۔ سب سے پہلے روحانی پھر جسمانی جہاد ہونا چاہئے۔ ہجرت کو ہر دور روحانی اور جسمانی جہاد پر سبقت زمانی حاصل رہنی چاہئے۔ جہاد کے بغیر ہجرت کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔ اس لئے ایک پرزور اور طاقت ور جہاد کی تحریک اور تبلیغ (جو در حقیقت جہاد کی بنیادی شکل ہے) زور وشور سے پوری دنیا میں پھیل جانی چاہئے، اور تمام غیر اسلامی تحاریک، اشتراکیت، صیہونیت، ہندو تجدید پسندی، عیسائی مشنریز، مغربی دہریت اور آزاد خیالی، ذہنی ارتداد اور فراری ابالی پن (ہپی ازم) کو مزاحمت اور ایک طاقت ور اسلامی یورش کے ذریعے پسپا کیا جاسکتا ہے۔ کوئی تحریک محض نعرہ بازی اور مجلسی گفت گو سے اپنے مقاصد حاصل نہیں کرسکتی۔ اس کا تدارک مزاحمتی تحریک ہی سے ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق ہمیں حق حاصل ہے کہ:

فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدای علیکم (۲۴)

اگر تم پر کوئی زیادتی کرے، تو تم بھی زیادتی کرو اس پر ویسی ہی جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔ (۲۵)

اتحاد و اتفاق کی اہمیت اور انسانیت کے عالم گیر اتحاد کے حوالے سے اسلام کے کردار کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

اسلام کا مقصد نفسیاتی ہم آہنگی پیدا کرنا ہے، وہ ایسے اختلافات کو مناسب وزن دیتا اور ان کو دبانے یا ان کا استیصال کرنے کی مخالفت کرتا ہے۔ وہ انہیں مختلف رنگوں اور بہت سے خوش بودار پھولوں کے گل دستے میں، انسانوں کے اتحاد کے اعلیٰ مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے، خالق کی مرضی کے مطابق تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ اسلام بنی نوع انسان کے مکمل و مطلق اتحاد کی نمائندگی کرتا ہے، کیوں کہ ان سب کا رب ایک ہے اور ان سب نے ایک واحد جان سے وجود حاصل کیا ہے۔ سب سے بڑھ کر روحانی مفہوم میں وہ ایک مشترکہ تقدیر میں ساجھے دار ہیں۔ اسی سبب سے اسلام زمان ومکان کی وحدت کے تصور کی وکالت کرتا ہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاعر مشرق علامہ محمد اقبال کہتے ہیں:

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصۂ جدید و قدیم (۲۶)

رسول اللہ ﷺ بہ حیثیت ایک مدبر: تدبر قائدانہ صلاحیتوں کے اظہار کا ایک اہم رخ ہے۔ پھر

جب رسول اکرم ﷺ کا ذکر ہو تو لفظ تدبر بھی ہمہ جہت شکل اختیار کر جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب رسول اکرم ﷺ کے تدبر پر بات کرتے ہوئے بہ جا طور پر فرماتے ہیں کہ سیرت طیبہ کے کسی پہلو پر گفت گو کرتے ہوئے یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت تاریخ انسانی کی جامع ترین اور کامل ترین شخصیت کی سیرت مبارکہ ہے۔ یہ سیرت طیبہ پوری دنیا کے لئے واحد نمونہ ہدایت ہے، جس میں ہر منصب اور ہر مزاج کے فرد کے لئے کامل رہ نمائی موجود ہے۔ مگر آپ کے تدبر پر گفت گو کرتے ہوئے یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ آپ کی اصل حیثیت بہ ہر حال ایک نبی مرسل اور فرستادہ خداوندی کی ہے، جو روز قیامت تک عالم انسانیت کے سامنے خالق کائنات کا واحد نمائندہ مجاز اور ترجمان مرضی الٰہی ہے، جس کا اصل وظیفہ تلاوت آیات، تزکیہ نفس اور تعلیم کتاب وحکمت ہے۔ باقی سارے وظائف اور پہلو اسی اصل الاصول کے لوازم وفروع ہیں۔ (۲۷)

ڈاکٹر صاحب رسول اکرم ﷺ کی پالیسی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> چوں کہ حضور علیہ السلام رحمۃ للعالمین اور محسن انسانیت بل کہ محسن اعدا تھے۔ اسی لئے آپ ﷺ کی پالیسی کا بنیادی جز یہ تھا کہ مخالفین کو نیست ونابود کرنے کے بہ جائے ان کو سیاسی اعتبار سے بے اثر اور فوجی اعتبار سے بے دست وپا کر دیا جائے اور ان کے سیاسی روز اور عسکری قوت کو صرف اس حد تک توڑ دینے پر اکتفا کیا جائے کہ وہ نظام اسلام اور حکومتِ اسلام کے لئے کسی درجے میں بھی خطرہ نہ بن سکیں تا کہ دینِ حق کو ایسی حیثیت حاصل ہو جائے کہ ادیانِ باطلہ نہ تو اس کو شکست دے سکیں نہ اپنے سامنے جھکا سکیں۔ اس ضمن میں آپ ﷺ کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ دشمنان اسلام اور اسلامی حکومت کا رعب اور دبدبہ قائم کر دیا جائے۔ خود قرآن مجید میں بھی کفار پر رعب اور دبدبے کے قیام کو اسلامی حکومت کی عسکری پالیسی کا مقصد بتایا گیا ہے۔ (۲۸)

رسول اللہ ﷺ کے تدبر کے حوالے سے آپ کے سیاسی وعسکری اقدامات پر گفت گو کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے آپ ﷺ کے اقدامات کے نتائج اور ثمرات پر گفت گو کی ہے۔ اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کے اخلاقی رعب اور دبدبے کی بات کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

> اس ضمن میں سب سے پہلی چیز حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا وہ برتر اخلاق اور وہ زبردست اخلاقی رعب ہے جو مخالفین کو جھکنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ یہ ایک سیاسی مدبر کے تدبر کی کامیابی کا انتہائی کمال ہے کہ وہ اپنے مخالفین کے دلوں کو اپنے حسن اخلاق سے مسخر کر

لے۔حضور ﷺ کی زندگی میں بارہا ایسے مواقع پیش آئے جب آپ ﷺ کے مخالفین نے آپ ﷺ کے اخلاقی رعب کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔قیام مکہ میں جس زمانے میں کفار کی طرف سے ظلم وتشدد اپنی انتہا پر تھا ان ہی دنوں ایک روز رسول اللہ ﷺ کعبے میں نماز پڑھ رہے تھے،قریب ہی کفار کی ایک ٹولی خوش گپیوں میں مصروف تھی۔نشانہ تمسخر ایک ایسا شخص تھا جس کی کچھ قسم ابوجہل کے ذمے واجب الادا تھی۔کسی شخص نے یوں ہی بر سبیل تمسخر قرض خواہ سے کہہ دیا کہ تمہارا قرض یہ صاحب دلا دیں گے۔اور رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کیا۔وہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدعا عرض کیا، حضور ﷺ نے زرہ برابر تامل نہ فرمایا اور اس شخص کو لے کر ابوجہل کے گھر کی طرف چلے۔یہ ساری ٹولی بھی تماشا دیکھنے کی غرض سے پیچھے پیچھے ہولی۔حضور ﷺ ابوجہل کے گھر پہنچے اور آواز دی۔ابوجہل اس قدر مبہوت اور مرعوب ہوا اور ذرا تامل نہ کرسکا اور فوراً اس شخص کا قرض اس کو ادا کر دیا۔کفار پر حضور ﷺ کے اخلاقی رعب کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی کہ جب وہ اجتماعی طور پر آپ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے آئے اس وقت بھی ان کی امانتیں آپ ﷺ کے پاس اسی گھر میں موجود تھیں جس کا وہ محاصرہ کئے کھڑے تھے۔ناممکن تھا کہ وہ کفار جو دل سے حضور ﷺ کی دیانت وامانت کے قائل اور اپنے عمل سے اس کے گواہ تھے۔سیاسی طور پر حضور ﷺ کے سامنے ٹھہر سکتے اور آپ کے مقابلے میں کسی قوم کی کامیابی حاصل کرسکتے۔(۲۹)

ڈاکٹر صاحب نے رسول اللہ ﷺ کے تدبر وفراست پر گفت گو کرتے ہوئے قائد اور مدبر کی ضرورتوں پر تفصیل سے گفت گو کی ہے اور مثالوں کے ذریعے اپنی بات کی وضاحت کی ہے۔اس سلسلے میں خاص طور پر میثاق مدینہ اور صلح حدیبیہ سے ڈاکٹر صاحب نے استشہاد کیا ہے۔(۳۰)

ڈاکٹر صاحب آپ ﷺ کے تدبر اور فراست کے امتیازی پہلوؤں پر گفت گو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> آخری چیز جو رسول اللہ ﷺ کو دوسرے تمام مدبرین کے مقابلے میں امتیاز اور ان پر فوقیت بخشتی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا قائد اور مدبر بھی کبھی اس میں کامیاب نہیں ہوسکا کہ اپنی زندگی میں یا اپنے بعد ہی ایسے لوگ پیدا کرسکتا جو اس کے پیغام، اس کی فکر، اسکے فلسفہ، اس کے قائم کردہ نظام اور اس کے پیش کردہ طریق زندگی کی روح سے واقف ہوں، اسی انداز سے اس کی اٹھائی ہوئی تحریک کو لے کر آگے چل سکیں اور اس

کی جانشینی کے جملہ تقاضے پورے کرسکیں۔ اس معاملے میں اگر کسی کو بہت زیادہ کام یابی حاصل ہوئی ہے تو صرف اس قدر کہ اس کے مرنے کے بعد دو ایک آدمی ایسے کھڑے ہوگئے جنہوں نے جزوی طور پر اس کے شروع کئے ہوئے مشن کی کچھ خدمت کی اور پھر وہی قحط الرجال اور بے مردمی کا عالم۔ مہاتما بدھ، کنفیوشش اور حضرت عیسیٰ مسیح سے لے کر موجودہ زمانے کے قائدین تک کون ہے جس نے اپنے جیسے جانشینوں کی ایک جماعت چھوڑی ہو جس نے اپنے قائد کے مشن کو کما حقہ آگے بڑھایا ہو اور ان ہی خطوط پر تحریک کی رہ نمائی کی ہو جو قائد تحریک کے پیش نظر تھے۔ (۳۱)

خطبہ صدارت بین الاقوامی سیرت کانفرنس۔ اسلامی یونیورسٹی، بہاول پور: فروری ۲۰۰۰ء میں اسلامی یونیورسٹی بہاول پور کے زیر اہتمام منعقدہ بین الاقوامی سیرت کانفرنس کے موقع پر ڈاکٹر محمود احمد غازی نے خطبہ صدارت ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ مقالات سیرت کے عنوان سے کانفرنس میں پیش کئے گئے مضامین و مقالات کے مجموعے میں شامل ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر گفت گو کرتے ہوئے سیرت نگاری کے حوالے سے بھی بعض ضروری پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ فرماتے ہیں:

سیرت سے متعلق بے شمار معلومات اور مواد کا خاصا بڑا حصہ ایسا ہے جو سیرت کی عام کتابوں سے باہر اب بھی دست یاب ہے۔ اور مصنفین اور طلبہ سیرت نے اس ذخیرے سے ابھی تک نہ استفادہ کیا ہے اور نہ ابھی تک اس کی طرف توجہ کی ہے۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل سے معاہدے فرمائے۔ جس قبیلے سے معاہدہ فرمایا اس کو کسی خاص حقوق یا مراعات سے نوازا۔ ان مراعات کا پس منظر کیا تھا؟ ان مراعات کے پیچھے کیا تاریخی اسباب تھے؟ اسلام کے لئے کن ممکنہ فوائد کی خاطر حضور ﷺ نے ان کو وہ مراعات دیں۔ مثال کے طور پر حضور ﷺ نے حضرت عمرو ابن امیہ ضمری کو اپنا ایلچی مقرر کر کے نجاش کے دربار میں بھیجا۔ مجدثین نے لکھا ہے عمرو ابن امیہ ضمری اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ گویا ایک قبائلی سردار کو قبول اسلام سے پہلے ہی حضور ﷺ نے اپنی سفارت اور ایلچی کے منصب کے لئے مقرر فرمایا۔ اس کا پس منظر کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو کیوں مقرر کیا؟ کسی اور مسلمان صحابی کو مقرر کیوں نہیں کیا۔ اگر تحقیق کی جائے اور علم انساب اور قدیم تاریخی کتابوں کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ عمرو ابن امیہ ضمری کے قبیلہ بنی ضمرہ کے تعلقات نجاشی کے خاندان سے رسول اللہ ﷺ کے پڑدادا جناب ہاشم

کے زمانے سے چلے آرہے تھے۔ خود عمرو ابن امیہ ضمری ایک بہت بڑے تاجر تھے ان کی اپنی تجارت اور ان کے دوسرے اہل خاندان کی تجارت مکہ اور حبشہ کے درمیان کئی سو سال سے ہو رہی تھی۔ گویا ایک طرف آں حضرت ﷺ کے خاندان سے وہ ذاتی مراسم رکھتے تھے۔ دوسری طرف حبشہ کے حکمران خاندان سے ذاتی تعلقات رکھتے تھے۔ اور شاہ حبشہ سے ان کے ذاتی مراسم تھے۔ اس پس منظر میں عمرو ابن امیہ ضمری سے زیادہ موزوں اور مناسب تر کوئی آدمی ہو نہیں سکتا تھا۔ (۳۲)

ڈاکٹر صاحب مزید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح عرب قبائل کی شیرازہ بندی فرمائی اور ان کو ان لڑی میں پرو دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے باہم متحارب قبائل کو امت واحدہ کی شکل عطا کی اور انہیں اس طرح قائل کیا کہ وہ قبول اسلام کی طرف مائل ہو گئے، ان انہوں نے آپ ﷺ کی قیادت قبول کر لی۔ یہ تمام پہلو وہ ہیں جن پر نئے انداز سے غور وخوض شروع ہوا ہے۔ (۳۳)

ڈاکٹر صاحب تقابلی مطالعے کے حوالے سے ایک نئی جہت سے مطالعۂ سیرت کی ضرورت اور اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

> رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں بیشمار ایسے بیانات ملتے ہیں میں قدیم کتب سماویہ کے حوالے ملتے ہیں۔ بلاشبہ قدیم آسمانی کتابیں آج محرف ہو چکی ہیں، لیکن تحریف کے باوجود ان میں اپنے اپنے انبیائے کرام کی اصل تعلیم کے بہت سے عناصر موجود ہیں۔ آج اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ہمارے فکری اور علمی حالات کا تقاضا یہ ہے کہ قدیم مذہبی کتابوں سے مقابلہ کر کے بتایا جائے کہ جو چیز سیرت میں بیان ہوئی ہے، قدیم کتابوں سے اس کی کہاں تک تصدیق یا تکذیب ہوتی ہے۔ تصدیق ہوتی ہے فبہا، اور تصدیق نہیں ہوتی تو اس کے اسباب کیا ہیں؟ اس کے اسباب دلائل کے ساتھ اس طرح بیان کئے جائیں کہ غیر مسلم سلیم الطبع اور انصاف پسند اہل علم بھی اس سے متفق ہوں اور اس سے اتفاق کا اظہار کئے بغیر نہ رہیں۔ (۳۴)

ہم نے آغاز میں تحریر کیا ہے کہ ڈاکٹر محمود احمد غازی کی تحریریں ہوں یا محاضرات ان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ مختلف علوم وفنون سے بہ یک وقت استفادہ واستدلال کرتے ہیں۔ اپنی اس بات کی وضاحت کے لئے ایک مثال ناگزیر ہے۔ محاضراتِ معیشت وتجارت میں ڈاکٹر صاحب اسلام کے نظام مالیات ومعیشت کے بنیادی تصورات اور اہم خصائص واہداف بیان کرتے ہوئے سیرت طیبہ سے متعدد مقامات